مُرشد

موجِ غزل کتابی سلسلہ نمبر ۲۴۳



مرتبہ

نوید ظفر کیانی


بسم الله الرحمن الرحيم

فیس بک عالمی ادبی گروپ موجِ غزل کے ''منفرد قوافی رنگ'' کے تحت
منعقدہ مشاعرہ نمبر ۲۴۳ بتاریخ ۱۲ر دسمبر ۲۰۲۰ء پر مشتمل برقی کتاب

مُرشد

موجِ غزل کتابی سلسلہ نمبر ۲۴۳

گروپ منتظمین:
ہاشم علی خان ہمدم
نوید ظفر کیانی
روبینہ شاہین بینا
نادیہ سحر
قدسیہ ظہور

مرتبہ:
نوید ظفر کیانی

موجِ غزل پبلیکیشنز

mudeer.ai.new@gmail.com
https://archive.org/details/@nzkiani
https://www.facebook.com/groups/173610905663461 6/

فہرست

مرشد

دل کی زمین ہوگئی مسجد قدم قدم
محبوب دیکھتا ہے یہ ساجد قدم قدم

خالق کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کیا تو اسے فانی دنیا میں اپنے مقام و مرتبہ کے شایانِ شان انسانی کردار ادا کرنے کے لیے آزمائش میں مبتلا کیا۔ اس نظامِ زندگی کے لیے بہترین رستہ دکھایا اور اس پر عمل کے لیے نمونۂ عمل کے طور پر بہترین انسانوں کی عملی زندگی پیش کی۔ یہ بہترین انسان پیغمبر، رسول، اولیا، صالحین، شہدا، مربی اور مرشد کہلائے۔ رُشد و ہدایت کا سرچشمہ انسانی عظمت ٹھہری۔ نصابِ زندگی کا عنوان انسان اور عمل بندگی قرار دیا گیا۔ عینی اور غیبی حجاب میں بندگی کا شعور صدق و صفا کی شمع روشن کیے اس جہان فانی میں خیر کا نور بانٹ رہا ہے۔ دل کی زمین پر ساجد قدم قدم معبودِ حقیقی کی بندگی میں ہے اور اپنی عظمت کا سفر طے کر رہا ہے۔ زمین سے آسمان تک سفر میں خیر الکثی مرشد بن کر راہ نمائی کر رہا ہے۔ اللہ ہم سب کو اس بابرکت روحانی سفر میں بامراد رکھے۔ آمین۔

منفرد قوافی و نظم رنگ بہ عنوان "مرشد" پر مشتمل ۲۴۳ واں آن لائن موج غزل عالمی مشاعرہ ۱۲ ردسمبر ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ منعقد ہوا۔ جس میں احبابِ موجِ غزل نے اپنے اپنے اسلوب میں خوب صورت کلام پیش کیا۔ اس خوب صورت کلام پر مشتمل برقی کتاب بہ عنوان مرشد پیش خدمت ہے۔ آپ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ۔ اللہ وبائے عام سے تمام انسانوں کو محفوظ فرمائے اور اپنی امان میں رکھے۔ آمین۔

ناصر علی خان نیر
منتظم موج غزل ادبی فورم



ایم اِکرآم الحق

سنو اپنے ہی مفسد بن گئے ہیں
حماقت کے وہ مرشد بن گئے ہیں

پیادے دشمنوں کے ہیں سنا تھا
انہیں کے اب مجاہد بن گئے ہیں

دساتیری جو ڈھونڈے سقم یارو
ڈکیتی کے مقاصد بن گئے ہیں

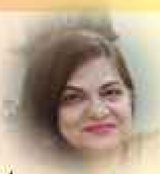
سیاست جب لٹیروں کی ہے باندی
سبھی غاصب ہی زاہد بن گئے ہیں

محبت ان کو ملتی بھی تو کیسے
رقیبوں کے وہ حاسد بن گئے ہیں

ریاست پر خیانت گر تھے قابض
دیانت دار مفرد بن گئے ہیں

حکومت کے جو رازوں کے امیں تھے
غلاظت کے وہ شاہد بن گئے ہیں

جو پڑھتے تھے قصیدے دیس کے حق
سبھی ظالم وہ ناقد بن گئے ہیں



جیاؔ قریشی

اذنِ حرفِ حق سے سارے ناقد جلتے ہیں
دِل کی بات سناتی ہوں تو حاسد جلتے ہیں

کیا پیغام لکھا ہے دل کے اندھے جذبوں کا
خط میں کیسی آگ بھری ہے قاصد جلتے ہیں

چاک گھما کر ہم جو مٹی سونا کرتے ہیں
دستِ ہنر سے کیسے کیسے موجد جلتے ہیں

شر کی آگ لگا رکھی ہے کیسے جاہل لوگوں نے
اِن شعلوں میں شہر کے سارے فاسد جلتے ہیں

ایسے لوگ فسادی ہیں کیوں ان کی اطاعت لازم ہو
جن کی زباں سے شہر کے مندر مسجد جلتے ہیں

ظلمت کو کب سورج کی کرنوں سے اُجالا ملتا ہے
ذکرِ خدا سے شہر کے سارے ملحد جلتے ہیں

کون جیاؔ یوں درد کسی کا دل سے سہتا ہے
بچوں کی خاطر تو بوڑھے والد جلتے ہیں



ذہینہؔ صدیقی

منصف سے کوئی کہہ دے کہ شاہد نہیں ہوں میں
پڑھتا تو ہوں نماز پر عابد نہیں ہوں میں

داڑھی پہ ہاتھ رکھ کے اُٹھاتا ہوں جام میں
تو جو سمجھ رہا ہے وہ زاہد نہیں ہوں میں

دل اور جاں سے پیارا ہے مجھ کو وہ طفلِ نو
لیکن اُس خوش نصیب کا والد نہیں ہوں میں

حالاتِ حاضرہ سے پریشاں ہیں نوجواں
اُن کی نظر میں آج بھی ماجد نہیں ہوں میں

محفل میں میرے ساتھ ہیں کچھ اور بھی عزیز
بزمِ سخن میں آج بھی واحد نہیں ہوں میں

پیغامِ عشق آپ کے بانٹوں میں کیوں بھلا
روۓ زمیں پہ آپ کا قاصد نہیں ہوں میں

خوش ہوں ذہینہؔ دیکھ کے تجھ کو عروج پر
میں تیرا خیر خواہ ہوں حاسد نہیں ہوں میں

روبینہ شاہین بیناؔ

کبوتر کیسے قاصد بن گئے ہیں
کہ نامہ بر تو حاسد بن گئے ہیں

پکڑ رکھتے تھے جن کے کان والد
سنا ہے آپ والد بن گئے ہیں

یونہی ہوتی ہے آبائی سیاست
کہ لیڈر اِک نووارد بن گئے ہیں

ذرا اعمال تو انساں کے دیکھیں
سبھی شیطاں کے مرشد بن گئے ہیں

سراسر آپ جیسے ہیں وہ ڈوڈو
کہ جو خواجے کے شاہد بن گئے ہیں

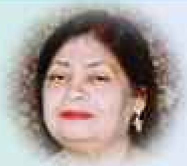
پٹاخے سن کے نکلیں جن کی جانیں
ٹویٹر پر مجاہد بن گئے ہیں

وطن کو لوٹنے والے کمینے
ہمارے کیسے موعد بن گئے ہیں

بنے پھرتے ہیں گرچہ دوست سچے
مگر دل اُن کے فاسد بن گئے ہیں

رہے جو عابدہ کے عاشقوں میں
سنا ہے اب وہ عابد بن گئے ہیں

نہیں لگتا ہے جن کا موقع بیناؔ
وہ مجبوری میں ناقد بن گئے ہیں



سیّدہ منوّر جہاں منوّر

اپنے عمل کے باب میں عابد عجیب تھا
جادو نگاہ پیر وہ زاہد عجیب تھا

پل میں بدل گیا تھا مری کائناتِ دل
جو مل گیا تھا خیر سے مرشد عجیب تھا

ہر بات میری مان کے منکر ہی رہ گیا
وہم و گماں کے درمیاں ملحد عجیب تھا

تخلیق کا مقام تھا موضوع گفتگو
خالق کا مدح خوان وہ ناقد عجیب تھا

شاید اُسے بھی عشق تھا میرے حبیب سے
پہنچا سکا نہ خط مرا قاصد عجیب تھا

آنکھوں میں اشک بن کے نمایاں جو ہو گیا
واللہ میرے عشق کا شاہد عجیب تھا

منکر جو ہو گیا تھا منوّر چراغ کا
ظلمات کا اسیر وہ حاسد عجیب تھا



شاہین فصیحؔ ربّانی

دل مندر ہے دل مسجد ہے
کیسا جھگڑا کیسی ضد ہے

پیچھے چھوڑ کے آ جاتے ہیں
جیسے وقت وہیں جامد ہے

جانے غزل کب پوری ہو گی
دل کا شعر ابھی مفرد ہے

ہم کو پیاس بجھانی ہے بس
کولڈ ڈرنک ہے یا بارد ہے

شعر میں وہ خامی نہیں رکھتا
شاعر جو اپنا ناقد ہے

باتوں سے گل کیسے بکھریں
جب تیری سوچ ہی مفسد ہے

جس کے دل میں بغض بھرا ہو
مان فصیحؔ وہی حاسد ہے



شاہین فصیح ربانی

وہ سردی ہے کہ ہر شے منجمد ہے
یہ دل باہر نکلنے پر بضد ہے

مرے اشعار مرہونِ روایت
مرا انداز بھی کب منفرد ہے

سمجھ سے بالا تر رسوائیاں ہیں
بظاہر قوم ساری متحد ہے

اضافہ کیوں نہ ہو پھر مسئلوں میں
یہاں اب ہر کوئی تو مجتہد ہے

میں اس سے شرط کس برتے لگاؤں
کہ وہ مجھ سے زیادہ مستعد ہے

ردیف اور قافیہ مربوط ہونا
تخیل کے نکھرنے میں ممد ہے

وہ رستہ دے رہا ہے ہر کسی کو
زمانے کو مجھی سے کوئی ضد ہے



صوفیہ حامد

تقویٰ میں پہلے جیسے وہ زاہد نہیں رہے
مخلص عبادتوں میں ہی عابد نہیں رہے

مسجد تو سنگ مرمر کی چندے سے بن گئی
دِل سے کریں جو سجدہ، وہ ساجد نہیں رہے

رب نے توقعات سے بڑھ کر عطا کیا
اوروں کے سکھ قرار پہ حاسد نہیں رہے

کرنا پڑا ہے بارہا، اپنی خودی کا خوں
ہم ایک دوسرے کی کبھی ضد نہیں رہے

جو آنکھ کے اشاروں سے منوا گئے ہیں بات
اِس دور میں وہ والدہ، والد نہیں رہے

وعدوں پہ صوفیہ کو بھلا کیا ہو اعتبار
جو کر گئے نباہ، وہ موعد نہیں رہے



ضیاء شہزاد

جو خدا ہے وہی تو ہے شاہد
رند ہوں میں یا ہوں کوئی زاہد

سر پہ رہتا نہیں کوئی سایہ
جس کا اٹھ جائے دنیا سے والد

ہجر میں کٹ گئی مری دنیا
اس کا نامہ نا لا سکا قاصد

بندگی ہے اسی کی بس لازم
جو ہے مالک سبھی کا ہے واحد

جس بلندی پہ آج ہے دنیا
اس کا ادنیٰ سا بندہ ہے موجد

یوں تو مٹی کا پتلا ہے انساں
کینہ پرور بڑا ہے اور حاسد

زندگی بندگی میں ہو شہزادؔ
دنیا تم کو پکارے گی عابد



عبدالرزّاق بیکلؔ

نہ دل لگی کا مِلا اور نہ عاشقی کا نچوڑ
ہماری زیست ہے گویا کہ بے بسی کا نچوڑ

پڑا تھا نیم اندھیروں میں جس نے دیکھا ہے
مِلا تو ایک اسی کو ہے روشنی کا نچوڑ

غمِ حیات کی قیمت ہے قہقہوں سے فزوں
یہ اشکِ غم ہی تو ہوتے ہیں ہر خوشی کا نچوڑ

سمجھ میں آئیں تو کیسے ہمیں تری باتیں
جو مِل سکا نہ اسی ایک ان کہی کا نچوڑ

قریب ہوتا اگر چاند ہوتی بات کوئی
فقط ہو فاصلہ کیوں اس کی دِلکشی کا نچوڑ

جو کہتے آئے تھے کرتے رہے اسی کا الٹ
ہمیشہ راز یہ دیکھا ہے زرگری کا نچوڑ

ہیں طرفہ تر ابھی دنیا میں رنگ وحدت کے
بھلا ہے خون وہ کس کا؟ صنم گری کا نچوڑ

ہمیں یہ "چاہیے" اب "ہے" بنائے رکھنی ہے
مِلا ہے آج ہمیں یہ بھی شاعری کا نچوڑ

تعلقات ہیں بیکلؔ جو سر سری بہتر
یہی ہے ایک تمہاری بھی دوستی کا نچوڑ



عبدالغنی ماہر

آئیں فرشتے بھی وہاں مسجد جہاں پہ ہے
رحمت خدا کی نیک وہ زاہد جہاں پہ ہے

بیکار بت کدے بھی مشرک وہ بت پرست
خالق جو کائنات کا واحد جہاں پہ ہے

ہمت وہ دشمنوں کی بھی کمزور ہو بہت
اسلام کی وہ سیف وہ خالد جہاں پہ ہے

عاشق ہوں جمع جیسے وہ محبوب کے بھی پاس
آئیں مرید بھی وہاں مرشد جہاں پہ ہے

خود کو بچا لیا کرو اس کی نظر ہے بد
جلتی ہے آگ بغض کی حاسد جہاں پہ ہے

منصف کا فیصلہ ہو سزا بے گناہ کو
مجرم کا طرف دار بھی شاہد جہاں پہ ہے

رہنا بھی ہوشیار ہے ماہر تو عشق میں
بن کر رقیب بیٹھا وہ قاصد جہاں پہ ہے



محمد رضا نقشبندی

دل کو ساجد کرتا ہوں
خود کو عابد کرتا ہوں

خاکی ہوں، افلاکی ہوں
مٹی ، مسجد کرتا ہوں

ورنہ سیدھا سادھا ہوں
ملنے کی ضد کرتا ہوں

میرا کیا ؟ دیوانہ ہوں
میں بھی تو حد کرتا ہوں

ہونا ، رونا دھونا ہے
ہونے کا رد کرتا ہوں



محمد رضا نقشبندی

ایسا میں دوستو کبھی عابد نہیں رہا
دل غیر کی زمین پہ ساجد نہیں رہا

سہما ہوا جو بیٹھا ہے سب سے الگ تھلگ
لگتا ہے اس غریب کا والد نہیں رہا

مدت کے بعد آج میں لوٹا وطن کو ہوں
اصغر نہیں پپو گیا خالد نہیں رہا

شدت پسند میں نہیں نرمی ہے صاحبا
ایسے کسی بھی لفظ کی میں شد نہیں رہا

اک جانور میں انساں میں کچھ بھی نہیں تمیز
جس شخص کی حیات کا مقصد نہیں رہا



نادیہ سحر

وہ دِل کی مانتا ہے مری ضد کے سامنے
ملتا ہے جان بوجھ کے حاسد کے سامنے

دل کے معاملات چھپائے نہ جا سکے
خط پڑھ کے ہنس رہا تھا وہ قاصد کے سامنے

یہ عشق اپنا آپ دکھائے گا ایک دن
دل کا مرید کیا کہے مرشد کے سامنے

آئینۂ خیال میں صورت اُسی کی ہے
جیسے کھڑی ہوئی ہوں میں شاہد کے سامنے

تخلیق ہو رہا تھا کسی نور سے وجود
یہ کائنات جھک گئی واحد کے سامنے

اب کون اس کی بات کا قائل نہ ہو سحرؔ
قسمیں اٹھا رہا ہے وہ مسجد کے سامنے





نوید ظفر کیانی

گھر پہن کر میں نکل آیا سفر پر کہ سبھی منزلیں ٹھہریں میری معتمد مرشد
تیرا ہو کر تو مجھے لگتا ہے سارا ہی جہاں میرا ٹھکانہ، میری مولد مرشد

چاند کو چھونے کی حسرت جو رگ و پے میں اُترتی ہے تو یوں لگتا ہے مجھ کو اکثر
دونوں اطراف میں ازخود ہی نکل آئے ہوں جیسے میرے روشن پرِ راشد مرشد

دھڑکنیں واسطہ بن جائیں تو پھر ہم کو ضرورت نہیں رہتی کسی شے کی ہرگز
دل سے دل تک کوئی پیغام پہنچ سکتا ہو تو کاہے کو درکار ہو قاصد مرشد

دیکھ لے اب بھی مری عمر کی تصویر کے ہر گوشے میں ہے رنگ اُسی منظر کا
تو جہاں چھوڑ گیا تھا مجھے میں تو ہوں ابھی تک اُسی منزل پہ ہی جامد مرشد

ڈھونڈ لیتے ہیں یہ پایاب سمندر میں بھی گرداب کی آسانیاں آخر کیسے؟
ایسا لگتا ہے کہ خود سے بھی لگا رکھی ہے یاروں نے کوئی ضد، مرشد

اس کے جذبوں کی نظافت کی قسم کھانے کو تیار ہے نقاد بھی اس کا لیکن
جسم کے پاک حرم میں یہ مرا دل بھی ہو جیسے کوئی باشندۂ ملحد، مرشد

اس کے ایمان کو زنجیر کیا جا نہیں سکتا ہے کسی شبد کسی کلمے میں
عشق بھی کیسی عبادت گہِ عشاق ہے ہائے کبھی مندر کبھی مسجد، مرشد

ایک ہی نام کی تکرار پہ جاری ہیں بہرسمت تواتر سے دھمالیں کب سے
آسمانوں میں زمینوں میں تسلسل سے صداؤں کی ہے بوچھار سی مرشد، مرشد

ہائے میں زیست کی کس منزلِ بوجھل پہ کھڑا ہوں کہ کوئی ہاتھ نہ تھامے میرا
وہ ستارہ بھی جو ہر ایک مسافت میں رہا ہے میرا ممدون و معاضد، مرشد



نوید ظفر کیانی

اُداسی کے ہیں کپڑے with دسمبر
سو شعرا کو بنا دے گدھ دسمبر

سبھی میں ہے کوئی فنی خرابی
گزشتہ ہو یا نو وارد دسمبر

کلینڈر سے اُترتا ہی نہیں ہے
ہے آمر کی طرح جامد دسمبر

خضاب آلودکر لیتا ہے جذبے
جواں بنتا ہے کیا ماجد دسمبر

وصالِ جنوری سے خوش نہیں ہے
عجب انداز کا حاسد دسمبر

نکلنے ہی نہیں دیتا ہے سورج
لگا بیٹھا ہے کیسی ضد دسمبر

الرجی کی طرح پڑتا ہے سب کو
غمِ ہجراں کا ہے موجد دسمبر

مہینوں کے سروں پر یوں کھڑا ہے
کہ جیسے اِن کا ہو والد دسمبر

جو رونا پٹنا کرنا ہے سو کر لو
یہی ہے سال کا واحد دسمبر

مزاج اپنا ہے "برفوں برف" اِس کا
مگر اوروں کا ہے ناقد دسمبر

ظفر چیں بہ جبیں کیوں ہو رہے ہو
تمھیں کہتا ہے کیا مرشد دسمبر



ہاشم علی خان ہمدم

دِل کی زمین ہو گئی مسجد قدم قدم
محبوب دیکھتا ہے یہ ساجد قدم قدم

ہو وحدت الوجود کہ ہو وحدت الشہود
دیکھا ہے ہر وجود میں واجد قدم قدم

ہر خواب، ہر خیال سے برتر عظیم ہے
لاریب! کائنات کا موجد قدم قدم

وہم وگماں کے دشت میں دل کا مرید ہوں
ایمان اور یقین ہے مرشد قدم قدم

الحمد! ہر کمال کا مالک ہے بے مثال
رحمٰن ہے، رحیم ہے، واحد قدم قدم

یہ بارگاہِ دل ہے یہاں سر جھکا کے چل
دیتے ہیں جان اس پہ مجاہد قدم قدم

میں بھی رہِ سلوک میں تنہا سہی مگر
کیوں روکتا ہے راہ میں زاہد قدم قدم

بس دل کی آنکھ چاہیے دیدار کے لیے
ظاہر خدا کا نور ہے شاہد قدم قدم

ممکن کہاں تھی مجھ سے یہ ابجد حیات کی
حرفِ صدائے کُن ہے مشاہد قدم قدم

نقشِ چراغِ عشق مٹایا نہ جائے گا
ظلمت رہے گی حشر تک حاسد قدم قدم

محبوب اور محب میں وہ راز و نیاز تھے
بس دیکھتا ہی رہ گیا قاصد قدم قدم

ہمدم مرے شعور کو اذنِ کلام ہے
مجھ پر سخن کیا گیا وارد قدم قدم

ہر ماہ نئے رنگ

پہلا ہفتہ: طرحی مشاعرہ رنگ

دوسرا ہفتہ: منفرد ردیف رنگ

تیسرا ہفتہ: منفرد قوافی رنگ

چوتھا ہفتہ: اصنافِ سخن رنگ

ان شاءاللہ